# سورۃ المزمل

آیاتہا ۲۰ ۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مکیۃ ۳ رکوعاتہا ۲

اس کی بیس آیتیں ہیں۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک اس کی سب آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: دو آیتیں مکی نہیں وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اور آیت جو اس کے پیچھے ہے؛ ماوردی نے یہی ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: آیت رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى سے لے کر آخر تک مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

"اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن حکیم کو"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

## مزمل کی لغوی تشریح

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، اخفش سعید نے کہا: اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں متزمل تھا تاء، زاء میں مدغم کیا گیا ہے یہی المدثر ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے اصل پر المتزمل اور المتدثر پڑھا ہے۔ سعید نے اَلْمُزَّمِّلُ پڑھا ہے۔ مزمل کی اصل میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھانے والے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: زَمَلَ الشَّيْئَ۔ جب وہ اس چیز کو اٹھائے اس سے الزاملہ ہے کیونکہ وہ گھر کا سامان اٹھاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مزمل سے مراد ہے لپٹنے والا، یہ جملہ بولا جاتا ہے: تزمل وتدثر بثوبہ جب وہ کپڑے کو لپیٹ لے اور یہ جملہ بولا جاتا ہے: زمل غیرہ جب وہ کسی اور چیز کو ڈھانپ دے ہر وہ چیز جسے لپیٹا جائے تو پس اس کے لیے زمل اور دثر سے تعبیر کرنا درست ہوتا ہے۔

امراء القیس نے کہا:

كَبِيْرُ اُنَاسٍ فِيْ بِجَادٍ مُزَمَّلِ

بڑے لوگ دھاری دار چادروں میں لپٹے ہوئے ہیں۔

## مزمل سے کون سی ذات مراد ہے

**مسئلہ نمبر 2۔** يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔ پہلا عکرمہ کا قول ہے: اے نبوت و رسالت کو لازم پکڑنے والے! انہیں سے ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے: اے وہ ذات جس پر یہ امر لازم کیا گیا پھر اسے رخصت دی گئی! وہ اسے زاء کی تخفیف، میم کے فتحہ اور اسے مشدد پڑھا کرتے تھے جب کہ اس کا مفعول محذوف ہے اس طرح الْمُدَّثِّرُ ہے معنی یہ ہوگا اپنے آپ کو کپڑے سے لپیٹنے والے یا جسے غیر نے کپڑا اوڑھایا۔

دوسرا قول: اے قرآن کو لازم پکڑنے والے! یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

تیسرا قول ہے: اپنے کپڑے کو لپیٹنے والے! یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ امام نخعی نے کہا: آپ ایک چادر لپیٹے ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوتے تھے جس کی لمبائی چودہ ہاتھ تھی وہ نصف مجھ پر تھی جب کہ میں سوئی ہوئی تھی اور نصف نبی کریم ﷺ پر تھی جب کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اللہ کی قسم وہ خز (ریشم جس میں اون ملی ہو) قز (ریشم) مرغزاء (نرم بالوں) ابرایسم (ریشم) اور اون کی نہ تھی اس کا تانا بکری کے بالوں اور پیٹا اونٹ کے بالوں کا تھا؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں مدینہ طیبہ میں ہی حرم میں داخل کیا تھا اور جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ضحاک نے کہا: آپ نے سونے کے لیے اپنے کپڑے کو لپیٹا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کی جانب سے آپ ﷺ کو ناز یبا بات پہنچی تو وہ بات آپ ﷺ پر شاق گزری تو آپ ﷺ نے اپنے اوپر کپڑا لے لیا تو یہ آیت نازل ہوئی يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وحی کی ابتدا میں ہوا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرشتے کی بات سنی اور اسے دیکھا تو آپ ﷺ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: ''مجھے کپڑا اوڑھادو''۔ یہ معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ حکماء نے کہا: آپ کو ابتدا میں الْمُزَّمِّلُ اور الْمُدَّثِّرُ سے خطاب کیا کیونکہ ابھی آپ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا۔

ابن عربی نے کہا: يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے (1)۔ کچھ علماء نے تو اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے۔ اے وہ ذات جس نے اپنے آپ کو چادر میں لپیٹا ہوا ہے! اٹھیے؛ یہ ابراہیم اور قتادہ کا قول ہے۔ کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے۔ گویا آپ کو کہا گیا: اے وہ ذات جس نے نبوت کا بار اٹھایا! یہ عکرمہ نے کہا ہے۔ یہ تفسیر اس وقت جائز ہوگی اگر میم مفتوح اور مشدد ہو اور صیغہ اسم مفعول کا ہو، جہاں تک اسے اسم فاعل کی صورت میں پڑھنے کا تعلق ہے وہ باطل ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے اس کے مفعول کے حذف کے اعتبار سے معنی بیان کر چکے ہیں۔ اسے اس صورت میں پڑھا بھی گیا ہے۔ یہ قراءت صحیح المعنی ہے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے قرآن کو اوڑھنا بچھونا بنایا تو یہ مجازی معنی میں صحیح ہے لیکن ہم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جز 4، صفحہ 1859

پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسے اس کی ضرورت نہیں۔

## مزمل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم نہیں

**مسئلہ نمبر 3۔** سہیلی نے کہا: مزمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے نہیں اور نہ ہی اس میں یہ معروف ہے جس طرح بعض لوگ اس طرف گئے ہیں اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں شمار کیا ہے۔ مزمل اسم مشتق ہے جو اس حالت میں اشتقاق کیا گیا جو خطاب کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اسی طرح مدثر ہے اس نام کے ساتھ خطاب کرنے میں دو فائدے ہیں: ایک تو شفقت و محبت کا اظہار ہے کیونکہ عرب جب مخاطب کے ساتھ شفقت کرنے اور عتاب کے ترک کرنے کا ارادہ کرتے تو اسے ایسے نام کے ساتھ پکارتے جو اس حالت سے مشتق ہوتا جس حالت پر وہ ہوتا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو فرمایا جب وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی شیر خدا کے پاس آئے جب کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اے ابو تراب! اٹھو'' مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ رسول اللہ ان پر ناراض نہیں اور ان پر شفقت کا اظہار تھا اس طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اے نومان! اٹھو'' جب کہ حضرت حذیفہ سوئے ہوئے تھے مقصود ان پر شفقت و نرمی کا اظہار تھا اور ناراضگی و عتاب کو ترک کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو یہ ارشاد فرمایا ہے: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ اس میں بھی انس اور شفقت کا اظہار ہے تاکہ یہ شعور دلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض نہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو چادر لے کر رات کو سویا ہوا ہو اس کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ رات کے وقت عبادت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیدار ہو کیونکہ فعل سے جو اسم مشتق ہوتا ہے اس میں مخاطب کے ساتھ ہر آدمی شریک ہوتا ہے جو ایسا عمل کر رہا ہو اور اس صفت کے ساتھ موصوف ہو۔

## قُمِ کی لغوی تشریح

**مسئلہ نمبر 4۔** قُمِ الَّیْلَ عام قراء کی قراءت میم کے کسرہ کے ساتھ ہے کیونکہ دو ساکن جمع ہوئے اس وجہ سے میم کو نیچے کسرہ دیا ہے۔ ابو سمال نے میم پر ضمہ پڑھا ہے وجہ قاف کے ضمہ کی اتباع ہے اور میم پر فتحہ بھی پڑھا ہے کیونکہ فتحہ خفیف ترین حرکت ہے۔ عثمان بن جنی نے کہا: میم پر حرکت سے غرض دو ساکنوں کے اجتماع سے دور بھاگنا ہے میم پر جو بھی حرکت آئے تو غرض حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ فعل لازم ہے اور مفعول بہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا جہاں تک اس کے لیے ظرف زمان اور ظرف مکان لانے کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے، جہاں تک ظرف مکان کا تعلق ہے تو فعل کے بعد کسی واسطہ کا لانا ضروری ہوتا ہے تو یہ نہیں کہے گا: قمت الدار بلکہ تو یہ کہے گا: قمت وسط الدار و خارج الدار ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قم کا معنی ہے صَلِّ یعنی نماز پڑھ۔ صل کو قم سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے صل سے بطور مجاز ذکر کیا گیا ہے یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے عرف بن گیا ہے (1)۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی

## اللیل کی مراد اور رات کی عبادت کن لوگوں پر فرض یا مستحب ہے

**مسئلہ نمبر 5۔** الَّیْلَ ۔ رات کی حد سورج کے غروب ہونے سے لے کر فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کیا رات کا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرض تھا یا مستحب تھا؟ دلائل اس نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ رات کا قیام حتمی اور فرض تھا اس کی وجہ یہ ہے مستحب رات کے کچھ حصہ پر واقع نہیں ہوتا اور کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے راویوں سے تعیین آئی ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کیا یہ عبادت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء پر فرض تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی فرض تھی؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

۱۔ سعید بن جبیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ رات کی عبادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے قبل کے انبیاء پر بھی فرض تھی۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے، یہ حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اور یہی صحیح ہے جس طرح حضرت زرارہ بن اوفی سے مروی روایت مسلم شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ہشام نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا اس میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت سعد بن ہشام نے کہا: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت کے بارے میں بتایئے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو سورۃ المزمل کی قراءت نہیں کرتا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، میں قراءت کرتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سورت کے شروع میں رات کا قیام (عبادت) فرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام بارہ ماہ تک آسمانوں میں ہی روکے رکھا یہاں تک کہ سورت کے آخر میں تخفیف کو نازل فرمایا اس کے بعد رات کا قیام فرض سے نفل ہو گیا۔

وکیع اور یعلی نے یہ روایت نقل کی ہے ہمیں مسعر نے سماک حنفی سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب سورۃ مزمل کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرام رات کو اتنا قیام کیا کرتے تھے جتنا قیام وہ رمضان شریف کے مہینے میں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اس میں سورت کا آخری حصہ نازل ہوا اس کے ابتدائی اور آخری حصہ میں سال کا وقفہ ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دس سال تک راتوں کو قیام کرتے رہے تو دس سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس امر کو خفیف کر دیا۔

## قَلِيْلًا سے کیا مراد ہے؟

**مسئلہ نمبر 6۔** اِلَّا قَلِيْلًا ۔ یہ الَّیْلَ سے مستثنیٰ ہے یعنی ساری رات کھڑے ہوں مگر تھوڑا حصہ کیونکہ ساری رات کا قیام ہمیشہ کے لیے ناممکن ہے تو تھوڑے حصہ کو قیام سے خارج کر دیا تاکہ جسم آرام پائے۔ کسی شی کے قلیل سے مراد نصف سے کم ہے۔ وہب بن منبہ سے یہ منقول ہے کہ قلیل دسویں یا چھٹے حصے سے کم کو کہتے ہیں۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: ایک تہائی کو قلیل

کہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۞ یہ تخفیف تھی کیونکہ قیام کا زمانہ محدود نہ تھا لوگوں نے راتوں کا قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم سوج گئے پھر اسے عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ سے منسوخ کر دیا گیا۔ اخفش نے کہا: نصف سے پہلے او کا لفظ محذوف ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعطه درهما درهمين ثلاثة۔ اس سے متکلم یہ ارادہ کرتا ہے اسے ایک درہم یا دو درہم یا تین درہم دے دو۔ زجاج نے کہا: نِّصۡفَهٗۤ یہ الَّيۡلَ سے بدل ہے۔ اِلَّا قَلِيۡلًا۔ یہ نصف سے مستثنیٰ ہے اور منه اور عليه میں جو ضمیر ہے یہ نصف کے لیے ہے معنی یہ ہوگا نصف رات قیام کیجئے یا اس سے تھوڑا کم کر لیجئے یعنی ایک تہائی یا اس سے زیادہ کر لیجئے یعنی دو تہائی۔ گویا یہ حکم ہوا رات کا دو تہائی، نصف یا ایک تہائی قیام کیجئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نِّصۡفَهٗۤ یہ قَلِيۡلًا سے بدل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین امور میں اختیار دیا گیا مکمل نصف، اس سے کم اور اس سے زائد۔ گویا تقدیر کلام یہ ہے قم الليل إلا نصفه أو أقل من نصفه او أكثر من نصفه۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب رات کا پہلا ایک تہائی گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، جو مجھ سے سوال کرتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں، جو مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے میں اسے بخش دیتا ہوں یہ اسی طرح معاملہ رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے''۔ اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رات کے دو تہائی کا قیام مرغوب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رات کا نصف یا دو تہائی جب گزر جاتا ہے'' الخ۔

دو سندوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح او کے لفظ کے ساتھ روایت مروی ہے۔

سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ رات کا پہلا نصف گزر جاتا ہے پھر وہ منادی کو حکم دیتا ہے تو منادی کرنے والا کہتا ہے: کیا کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے جس کو بخشا جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جس کو عطا کیا جائے؟'' ابو محمد عبد الحق نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہونے کے ساتھ نزول کے معنی کی وضاحت کرتی ہے کہ یہ نصف رات کو ہوتا ہے۔

ابن ماجہ نے ابن شہاب کی حدیث سے وہ ابو سلمہ اور ابو عبد اللہ اغر سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر رات جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو ہمارا رب نزول اجلال فرماتا ہے وہ فرماتا ہے: کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے''۔ صحابہ کرام رات کے

آخری حصہ میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے (1)۔ ہمارے علماء نے کہا: قرآن وحدیث میں اسی طریقہ پر تطبیق کی جائے گی کیونکہ وہ دونوں ایک ہی مشکاۃ سے دیکھتے ہیں۔ موطا اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات گزاری جب رات نصف گزر چکی تھی یا اس سے تھوڑا پہلے یا بعد کا وقت ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف اٹھے آپ نے ہلکا سا وضو کیا۔

## ساری رات کی عبادت کا ناسخ حکم

**مسئلہ نمبر** 7۔ رات کے قیام (عبادت) کے ناسخ کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رات کے قیام کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے فرمان عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى سے منسوخ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، امام شافعی، مقاتل اور ابن کیسان سے یہ مروی ہے کہ یہ پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس حکم کا ناسخ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا: جب يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے راتوں کا قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں پھر یہ آیت نازل ہوئی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (2) بعض علماء نے کہا: یہ ایسا فرض ہے جس کے ساتھ فرض منسوخ ہوگیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاص طور پر فرض تھا جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء:79)

میں کہتا ہوں: پہلا قول ان تمام اقوال کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (بقرہ:110) اس میں اس کا قول بھی داخل ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ناسخ پانچ نمازوں کا حکم ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین اس طرف گئے ہیں کہ رات کی نماز ہر مسلمان پر فرض تھی اگرچہ بکری دوہنے کے وقت تک ہو۔ حضرت حسن بصری سے اس آیت کے بارے میں قول بھی منقول ہے۔ الحمد للہ یہ فریضہ کے بعد نفلی نماز ہے۔ ان شاء اللہ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں رات کے قیام میں ترغیب دلائی گئی ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چٹائی بچھاتی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے تو لوگوں نے اس بارے میں ایک دوسرے سے سنا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے اجتماع کو دیکھا تو اسے ناپسند کیا اور اس امر سے ڈرے کہ ان پر رات کا قیام فرض ہی نہ کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراضگی کے عالم میں گھر میں داخل ہو گئے۔ صحابہ کرام نے کھانسنا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف نکلے اور فرمایا: ''اے لوگو! اپنے آپ کو اتنے ہی اعمال کا مکلف بناؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ دینے سے نہیں اکتاتا جب کہ تم عمل سے اکتا جاتے ہو کیونکہ بہترین عمل وہ ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہی ہو''۔ تو اس وقت يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نازل ہوئی تو رات کا

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی ای ساعات اللیل افضل، حدیث نمبر 1355، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 362

قیام ان پر فرض کر دیا گیا اور اسے فریضہ کا درجہ دیا گیا یہاں تک کہ صحابہ میں سے ایک آدمی رسی باندھتا اور اس کے ساتھ لٹک جاتا آٹھ ماہ تک صحابہ اسی طرح رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور یہ حکم نازل کیا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ انہیں فرض نماز کی طرف پھیر دیا اور رات کا قیام ان سے ختم کر دیا مگر جو وہ نفلی نماز کے طور پر پڑھیں (1)۔

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے اس کا معنی (رات تک) صحیح میں بھی ثابت ہے اور اس کا باقی ماندہ حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی وہ آٹھ ماہ تک قیام کرتے رہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے کہ وہ ایک سال تک قیام کرتے رہے۔ ماوردی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ سولہ ماہ تک قیام کرتے رہے کسی اور نے حضرت عائشہ سے یہ قول ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدا اور انتہا میں ایک سال کا عرصہ حائل ہے۔ کہا: جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے یہ قیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا۔ ایک نسخہ میں ان سے دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے تک فرض تھا۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منسوخ کر دیا گیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے منسوخ کر دیا گیا۔ منسوخ ہونے تک اس کے فرض ہونے کی مدت میں دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے: امت پر فرض رہنے والی مدت میں دو قول گزر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ایک سال ذکر کی ہے اور حضرت عائشہ نے سولہ ماہ ذکر کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ دس سال کا عرصہ تھا یہاں تک کہ اسے منسوخ کر کے تخفیف کی گئی مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احکام میں زیادتی تھی تاکہ رسالت کے عمل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز ہو جائیں؛ ابن جبیر نے یہ بات کہی۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے سعید بن جبیر سے جو روایت ذکر کی ہے یہ اس کے خلاف ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ سورت کے آخر میں زیادہ وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

## ترتیل سے کیا مراد ہے؟

**مسئلہ نمبر 8۔** وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ قرآن کی قراءت میں جلدی نہ کرو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر اور معانی میں تدبر کرتے ہوئے پڑھو۔ ضحاک نے کہا: اسے حرف حرف کر کے پڑھو۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاں قراءت قرآن میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے جو اسے سب سے زیادہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ ترتیل سے مراد بڑی خوبصورتی سے منظم و مرتب کرنا اس سے ثغور تَلِّ و رَتِلِ یعنی عین کلمہ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جب کہ دانت خوبصورت اور نمایاں ہوں۔ اس کا بیان کتاب کے مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت حسن بصری نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو ایک آیت کی تلاوت کر رہا تھا اور رو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو نہیں سنا وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا یہ ترتیل ہے''۔ علقمہ نے ایک آدمی کو اچھی طرح قراءت کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا: اس نے قرآن حکیم ترتیل کے ساتھ پڑھا ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں! ابوبکر بن طاہر نے ان الفاظ کی یہ تعبیر بیان

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 359

کی ہے اس کے خطاب کے لطائف میں غور وفکر کیجئے، نفس سے اس کے احکام بجالانے کا مطالبہ کیجئے، اپنے دل سے اس کے معانی کے فہم کا مطالبہ کیجئے اور اس کی طرف توجہ کرنے کا مطالبہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز قرآن کے قاری کو لایا جائے گا اسے جنت کے پہلے زینہ پر کھڑا کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا: پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، بے شک تیرا ٹھکانہ اس آخری آیت کے پڑھنے پر ہوگا جس کو تو پڑھے گا'' (1)۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو لمبا کیا کرتے تھے۔

## اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝

''بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام''۔

اس آیت کا تعلق اس آیت کے ساتھ ہے جس میں رات کا قیام فرض کیا گیا یعنی رات کی نماز فرض کرنے کے ساتھ ہم آپ پر قول ثقیل القا کریں گے جس کا اٹھانا مشکل ہوگا کیونکہ رات سونے کے لیے ہوتی ہے جس کو رات کے اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا ہو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر اسے نفس پر سختی کرنا پڑتی ہے اور شیطان سے مجاہدہ کرنا پڑھتا ہے یہ چیز بندے پر بڑی بھاری ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم آپ کی طرف قرآن وحی کریں گے۔ وہ قول ثقیل ہے جس کے شرعی احکام پر عمل ثقیل ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے فرائض اور اس کی حدود ثقیل ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا حلال اور حرام ثقیل ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: وعدہ، وعید اور حلال وحرام کے اعتبار سے ثقیل ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: منافقوں پر ثقیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار پر ثقیل ہے کیونکہ اس میں ان کے خلاف استدلال ہے، ان کی گمراہی کا بیان ہے، ان کے معبودوں کے لیے سب وشتم موجود ہے اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں جو تحریف کی اس کی وضاحت موجود ہے۔ سدی نے کہا: ثقیل، کریم کے معنی میں ہے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان ثقیل علی یعنی وہ میرے لیے معزز ہے۔ فراء نے کہا: ثقیل بمعنی باوقار ہے یہ خفیف نہیں کیونکہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ ثقیل ہے اس کا حامل وہی دل ہو سکتا ہے جس کو توفیق کی تائید نصیب ہو، وہی نفس اٹھا سکتا ہے جو توحید سے مزین ہو۔ ابن زید نے کہا: اللہ کی قسم! وہ ثقیل اور بابرکت ہے جس طرح قرآن دنیا میں ثقیل ہے اسی طرح قیامت کے روز میزان میں ثقیل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ثبت ہے جس طرح بھاری چیز اپنی جگہ میں ثبت ہوتی ہے اس کا معنی ہوگا اس کا اعجاز ثابت ہے اس کا اعجاز کبھی زائل نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے تو اس اونٹنی نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا وہ حرکت بھی نہ کر سکتی تھی یہاں تک کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ موطا اور دوسری کتب میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کس طرح آتی تھی؟ فرمایا: ''کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی تھی یہ میرے

1۔ مستدرک للحاکم، باب فضائل القرآن، جلد 1، صفحہ 739

لیے سب سے شدید ہوا کرتی تھی وہ وحی ختم ہوتی جب کہ میں اسے یاد کر چکا ہوتا، کبھی فرشتہ میرے لیے انسانی شکل میں آتا وہ مجھ سے گفتگو کرتا اور جو وہ کہتا میں اسے یاد کر لیتا'' (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید سردی میں دیکھا آپ پر وحی نازل ہوتی وہ وحی ختم ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا (2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ تعبیر بہتر ہے کیونکہ یہی حقیقت ہے جب کہ قرآن حکیم میں یہ بھی ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ بالحنيفية السمحة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سورت میں قول سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قول ہے کیونکہ حدیث طیبہ میں آیا ہے ''زبان پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہے''۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝

''بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں''۔

## نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے کیا مراد ہے؟

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ علماء نے کہا: نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد رات کے اوقات اور گھڑیاں ہیں کیونکہ اس کے اوقات یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأ الشیء ینشأ۔ جب وہ ابتدا کرے اور ایک چیز کے بعد دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو۔ ناشئة یہ نشأت سے فاعلة کا وزن ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ (الزخرف) مراد یہ ہوگا رات کی گھڑیاں پروان چڑھ رہی ہیں تو اسم کی بجائے وصف پر اکتفا کیا نَاشِئَةَ کو مونث ساعة کے لفظ کی وجہ سے ذکر کیا ہے کیونکہ ہر گھڑی جنم لیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نَاشِئَةَ مصدر ہے جس کا معنی رات کا قیام ہے جس طرح خاطئة اور کاذبة مصدر ہیں یعنی رات کا قیام روندنے میں سخت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد رات کا قیام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: حبشی کہتے ہیں نشأ یعنی اٹھا شاید انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ کلمہ تو عربی ہے مگر حبشی زبان میں عام اور غالب ہے وگرنہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں جو لغت عرب میں نہ ہو۔ کتاب کے مقدمہ میں اس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔

## رات کی نماز دن کی نماز سے افضل ہے

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز کی دن کی نماز پر فضیلت بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ جتنا ممکن ہو رات کی نماز میں زیادہ قراءت کرنی چاہیے کیونکہ یہ عظیم اجر اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

---

1۔ سنن نسائی، باب ما جاء فی القرآن، حدیث نمبر 924، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر 2، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نَاشِئَةَ الَّیْلِ سے کیا مراد ہے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک نے کہا: اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کی عبادت ہے وہ اس چیز سے استدلال کرتے ہیں لفظ نشأ ابتدا کا معنی دیتا ہے تو ابتدائی جز زیادہ حق رکھتا ہے۔ اسی بارے میں شاعر کا شعر ہے:

ولولا أنْ يُقالَ صَبَا نُصَيبٌ لَقلتُ بِنفسِيَ النَّشَأُ الصِغارُ

اگر یہ بات نہ کہی جاتی کہ نصیب بے دین ہو گیا تو میں اپنے آپ کو کہتا یہ تو نئی اٹھان ہے۔

علی بن حسین مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے اور کہتے: یہ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ہے۔ عطا اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد رات کا آغاز ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد ساری رات ہے کیونکہ یہ دن کے بعد جنم لیتی ہے۔ امام مالک بن انس نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: لفظ یہی معنی دیتا ہے اور لغت اس کا ہی تقاضا کرتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: نَاشِئَةَ سے مراد نیند کے بعد رات کا قیام ہے جس نے نیند سے پہلے رات کے پہلے پہر قیام کیا تو اس نے نَاشِئَةَ کا قیام نہ کیا۔ یمان اور ابن کیسان نے کہا: رات کے آخری حصہ میں قیام ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: ان کی نماز رات کے ابتدائی حصہ میں ہوا کرتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کب بیدار ہوگا؟ صحاح میں ہے: نَاشِئَةَ الَّیْلِ سے مراد رات کی ابتدائی گھڑیاں ہیں۔ قتبی نے کہا: یہ رات کی گھڑیاں ہیں کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔

حسن اور مجاہد سے مروی ہے: یہ عشاء کے بعد سے لے کر صبح تک کا وقت ہے۔

حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: عشاء کے بعد کا وقت نَاشِئَةَ ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد وہ طاعتیں ہیں جو رات کو کی جاتی ہیں؛ یہ جوہری نے بیان کیا ہے۔

## وَطْأً کی لغوی تشریح اور معنی و مفہوم

**مسئلہ نمبر 3**۔ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً ابو العالیہ، ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، مجاہد، حمید، ابن محیصن، ابن عامر، مغیرہ اور ابو حیوہ نے اسے وِطاء واؤ کے کسرہ، طاء کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے اسے ہی پسند کیا ہے جب کہ باقی قراء نے وَطْأً واؤ کے فتحہ، طاء ساکن اور الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے اختیار کیا ہے جس طرح تیرا قول ہے: اشتدت على القوم وطأة سلطانهم جو چٹیاں ان پر لازم کی گئیں وہ ان پر ثقیل ہو گئیں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللهم اشدد وطأتك على مُضَرَ اے اللہ! مضر قبیلہ پر اپنی پکڑ کو سخت کر دے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نمازی پر یہ ساعتیں دن کی ساعتوں سے بھاری ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات نیند اور کام کاج چھوڑنے کا وقت ہے جو آدمی عبادت میں مشغول ہوا تو اس نے عظیم مشقت اٹھائی۔ جب یہ الف ممدودہ کے ساتھ ہو تو واطأت وطاء و مواطاة کا مصدر ہوگا یعنی میں نے اس کی موافقت کی۔ ابن زید نے کہا: واطأته على الأمر مواطأة۔ یعنی جب میں نے اس کے ساتھ موافقت کی۔

فلان يواطئ إسمه إسمي۔ فلاں! اپنے نام کو میرے نام کے ساتھ موافق کرتا ہے۔

تواطئوا علیہ۔ انہوں نے آپس میں موافقت کی۔ معنی یہ ہوگا یہ عمل دل، نظر، کان اور زبان کو موافق کرنے والا ہے کیونکہ آوازیں اور حرکتیں منقطع ہو چکی ہوتی ہیں؛ یہ قول مجاہد، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء نے کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی کے موافق قول کیا، یعنی یہ قوت سماعت کو دل کے موافق کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (توبہ: 37) تا کہ وہ اس کی موافقت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے تفکر اور تدبر میں تصرف کے لیے سختی سے موافقت کرنے والا ہے۔

وطاء، غطاء کے خلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَشَدُّ وَطْاً دن کی بنسبت سختی سے ثبت کرنے والا ہے کیونکہ رات ایسا وقت ہوتا ہے جس میں انسان عمل نہیں کرتا تو یہ عمل کو زیادہ مضبوط کرنے والا جو چیز انسان کو غافل کرے اور دل کو مشغول کرے اس سے زیادہ پاک ہوتا ہے۔ الوطء کا معنی ثبات ہے تو کہتا ہے: وطئت الأرض بقدمی۔ میں اپنے قدم کے ساتھ زمین پر ثابت ہوا۔ اخفش نے معنی کیا: اشد قیاما۔ قیام میں شدید ہے۔ فراء نے کہا: اثبت قراءۃ وقیاما۔ قراءت اور قیام میں زیدہ ثبت کا باعث ہے۔ انہیں سے اَشَدُّ وَطْاً کا معنی منقول ہے عمل کو ثبت کرنے والا اور جو زیادہ عبادت کا ارادہ کرے اس کے لیے دوام کا باعث ہے۔ رات کا وقت زندگی کی مصروفیات سے فارغ ہونے کا وقت ہے اس کی عبادت دائمی ہوتی ہے ختم نہیں ہوتی۔ کلبی نے اَشَدُّ وَطْاً کا معنی کیا ہے: نمازی کے لیے زیادہ نشاط کا باعث ہے کیونکہ وہ اپنی راحت کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ عبادہ نے کہا: اَشَدُّ وَطْاً کا معنی ہے نمازی کے لیے نشاط کا باعث ہے، زیادہ خفیف اور قراءت کو درست کرنے والا ہوتا ہے۔

## وَّاَقْوَمُ قِيْلًا کی تشریح

**مسئلہ نمبر 4۔** وَّاَقْوَمُ قِيْلًا یعنی رات کے وقت کی قراءت دن کی بنسبت درستگی پر استقامت و دوام میں شدید ہوتی ہے کیونکہ آوازیں پر سکون ہوتی ہیں، دنیا خاموش ہوتی ہے نمازی جو پڑھتا ہے وہ نمازی پر مضطرب نہیں ہوتا۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: قراءت کو درست کرنے والا، قول کو ثبت کرنے والا ہوتا ہے۔ کہا: یہ وقت سمجھنے کا ہوتا ہے۔ ابوعلی نے کہا: وَّاَقْوَمُ قِيْلًا سے مراد ہے رات کے وقت فارغ البال ہونے کی وجہ سے استقامت کو مضبوط بناتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دعا کو جلدی قبول کراتا ہے؛ ابن شجرہ نے یہ بیان کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: رات کی عبادت مکمل نشاط والی، کامل اخلاص والی اور زیادہ برکت والی ہوتی ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: یہ اس کے زیادہ مناسب ہوتی ہے کہ وہ قرآن میں تفقہ حاصل کرے۔ اعمش سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے أصوب قیلا پڑھا تو انہیں کہا گیا: وَّاَقْوَمُ قِيْلًا تو انہوں نے جواب دیا: اقوم، اصوب اور اھیاء سب برابر ہیں۔ ابوبکر انباری نے کہا: ان کج رو لوگوں میں سلسلہ لگاتار جاری رہا یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا: جس نے کسی ایسے حرف کے ساتھ قرآن پڑھا جو قرآن کے حرف کے معنی کے موافق ہو تو وہ درست قراءت کرنے والا ہے، جب کہ اس نے معنی کی مخالفت نہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کا جو قصد و ارادہ تھا اس کا غیر نہ لایا ہو۔ ان لوگوں نے حضرت انس کے قول سے استدلال کیا ہے۔ یہ ایسا قول ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کے قائل کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے اگر ایسے الفاظ سے قراءت کی جو قرآن کے الفاظ کے مخالف ہو اور اس کے معانی کے قریب ہو تو اس کے

لیے پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی جگہ الشکر للباری ملك المخلوقین پڑھ لے۔ اس میں معاملہ بہت وسیع ہو جائے گا یہاں تک کہ تمام قرآن کے الفاظ باطل ہو جائیں گے اور ان الفاظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے گا۔ ان کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں کوئی دلیل نہیں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے، هلم، تعال اور اقبل کیونکہ یہ حدیث اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سندوں سے منقول قرائتیں جب الفاظ مختلف ہوں اور معانی متفق ہوں تو وہ هلم، تعال اور اقبل کے معنی میں ہیں مگر جس لفظ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین نے نہیں پڑھا تو جو ایسا ایک حرف بھی قرآن میں لایا تو صحیح مذہب سے نکل گیا۔

ابو بکر نے کہا: وہ حدیث جسے انہوں نے اس گمراہی میں بطور قاعدہ پیش کیا ہے وہ ایسی حدیث ہے جو کسی اہل علم سے ثابت نہیں کیونکہ اس کا انحصار اس سند پر منحصر ہے اعمش، انس سے روایت کرتے ہیں یہ سند مقطوع ہے متصل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جا سکے کیونکہ اعمش نے حضرت انس کو دیکھا تو ہے ان سے احادیث نہیں سنیں۔

## سَبْحًا طَوِیْلًا کا معنی ومفہوم

**مسئلہ نمبر 5**۔ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ عام قراءت حاء غیر معجمہ کے ساتھ ہے یہاں آپ کو ضروریات کے لیے آنا جانا پڑتا ہے۔ سبح کا معنی دوڑنا اور چکر لگانا ہے، اسی سے پانی میں تیرنے والا ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور فرس سابح ہے جو گھوڑا بہت تیز دوڑتا ہے۔

امراء القیس نے کہا:

مِسَحٍّ إذا ما السَّا بحاتُ على الوَنَى	أثَرْنَ الغُبارَ بِالكَدِيدِ المُرَكَّلِ

وہ بہت تیز دوڑنے والا ہوتا ہے جب کہ تیز رفتار گھوڑے تھکاوٹ کے وقت سخت جگہ غبار اڑاتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبح سے مراد فراغت ہے یعنی دن کے وقت کام کاج کے لیے آپ کے پاس فراغت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ دن کے وقت آرام کرتے ہیں۔ تسبح کا معنی لمبا ہونا ہے؛ یہ خلیل نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا سے مروی ہے: سَبْحًا طَوِیْلًا یعنی آپ کی نیند اور آپ کے آرام کے لیے طویل فراغت ہوتی ہے۔ پس رات کا وقت عبادت کے لیے بنا لیجئے۔ زجاج نے کہا: اگر رات کے وقت کوئی شے فوت ہو جائے تو دن میں آپ کے لیے آرام کے لیے فراغت ہوتی ہے۔

یحییٰ بن یعمر اور ابو وائل نے سبخا پڑھا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نیند ہے اس قراءت کے قاریوں سے یہ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی خفت، وسعت اور استراحت ہے اسی معنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چادر چوری کرنے والے کے لیے بددعا کی تھی: لا تُسَبِّخِی بدعائك علیه۔ یعنی اس کے گناہ کو اس سے ہلکا نہ کرو؛ شاعر نے کہا:

فَسَبِّخْ علیك الْهَمَّ واعلم بِأَنَّهُ إذا قَدَّرَ الرحمٰنُ شَيْئًا فَكَائِنُ

اپنے سے غم کو ہلکا کر دو اور یہ جان لو جب اللہ تعالیٰ کسی شی کو مقدر کرتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔

اصمعی نے کہا: یہ قول کیا جاتا ہے سَبَّخَ الحر یعنی گرمی ہلکی پڑ گئی۔ تسبیخ سے مراد سخت نیند ہے۔ تسبیخ کا معنی یہ بھی ہے روئی، کتان اور اون کے اجزاء کو الگ الگ کرنا، عورت کو کہا جاتا ہے: سبخی قطنك اور سبیخ من القطن سے مراد یہ ہوتا ہے اسے لپٹا جائے تا کہ عورت اسے کاتے۔ اس کے ایک حصہ کو سبیخہ کہتے ہیں، اس طرح بھیڑ بکریوں کی اون اور اونٹ کی اون میں ہوتا ہے۔ روئی کے ان حصوں کو سبائخ کہتے ہیں۔ اخطل شکاریوں اور کتوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فأرْسَلُوهُنَّ يُذْرِينَ التّرابَ كما يُذْرِي سَبائخَ قُطْنٍ نَدْفُ أَوْتَارِ

شکاریوں نے کتوں کو چھوڑا وہ مٹی کو یوں اڑا رہے تھے جس طرح روئی کا دھنکنا روئی کے اجزاء کو اڑاتا ہے۔

ثعلب نے کہا: سبخ کا معنی تردد اور اضطراب ہے۔ سبخ کا معنی سکون بھی ہے اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الحمّٰی من فیح جهنم، فَسبخوها بالماء بخار جہنم کی لپک ہے اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔ ابو عمرو نے کہا: سبخ سے مراد نیند اور فراغت ہے۔ میں کہتا ہوں: اس لحاظ سے تو یہ لفظ اضداد میں ہوا، یہ سبح کے معنی میں ہے۔

**وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝**

''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

اس میں تین مسائل ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ یعنی اسے اسمائے حسنی سے یاد کرو تا کہ نماز کے ساتھ اچھا انجام حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عمل کے ساتھ اپنے رب کی ذات کا قصد کر۔ سہیلی نے کہا: اپنی نماز کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ اس کی قراءت کی برکت تجھے تیرے رب تک پہنچا دے گی اور اس کے غیر سے تجھے قطع کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وعدہ اور وعید میں اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے تا کہ تو زیادہ اطاعت کرے اور معصیت سے اعراض کرے۔ کلبی نے کہا: دن کے وقت اپنے رب کی نماز پڑھیے۔ میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھی تاویل ہے کیونکہ جب رات کا ذکر کیا تو دن کا بھی ذکر کیا کیونکہ دن رات کا قسیم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ (فرقان:62)

## تَبَتَّلْ کا معنی ومفہوم

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ تَبَتَّلْ کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہو کر رہ جانا یعنی اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: بتلت الشیء یعنی میں نے اس چیز کو کاٹا۔ اس معنی میں ان کا قول

ہے: طلقھا بتّۃ بتلۃ اس نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی، ھذہ صدقۃ بتّۃ بتلۃ یہ صدقہ بائنہ ہے اپنے مالک سے منقطع ہے یعنی مالک کی صدقہ سے ملکیت ختم ہو چکی ہے؛ اس معنی میں مریم بتول ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہو رہی تھیں۔ راہب کو متبتل کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تُضِئُی الظَّلَامَ بِالعِشَاءِ کَأَنَّھَا مَنَارَۃُ مُمْسَی رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

ان کی چمک عشاء کے وقت تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے گویا یہ وہ منارہ ہے جہاں راہب رات گزارتا ہے۔

حدیث طیبہ میں تَبَتُّل سے نہی کی گئی ہے، وہ لوگوں اور جماعتوں سے الگ تھلگ ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے ہاں اس کا اصل معنی الگ تھلگ ہونا ہے؛ ابن عرفہ نے یہی کہا ہے جب کہ پہلا معنی ان آثار کی وجہ سے زیادہ قوی ہے جو آثار ہم نے ذکر کیے ہیں۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: تَبْتِیْلًا کیوں کہا تبتلا نہیں کہا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: تَبَتُّل کا معنی بتل نفسہ ہے یعنی اپنے نفس کو الگ تھلگ کرنا تو آیات کے سروں کی موافقت کی وجہ سے تَبَتُّل کی جگہ تَبْتِیْلًا کا لفظ ذکر کیا۔

رہبانیت اختیار کرنے کی ممانعت

**مسئلہ نمبر** 3۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (86) کی تفسیر میں یہ بات گزر چکی ہے جو آدمی الگ تھلگ ہوتا ہے اور رہبانیت کی راہ اختیار کرتا ہے وہ مکروہ ہے تو وہ بحث کافی ہے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس دور کا تعلق ہے تو لوگوں کے عہد و پیمان فاسد ہو چکے ہیں، امانت داری کا جذبہ ضعیف ہو چکا ہے اور حرام، دنیاوی اموال پر غالب آ چکا ہے اس لیے تنہائی میل جول سے بہتر ہے اور مجرد زندگی شادی سے افضل ہے لیکن آیت کا معنی ہے بتوں اور غیر اللہ کی عبادت سے دستکش ہو جاؤ؛ مجاہد نے اسی طرح کی بات کی ہے جس کا معنی یہ ہے اس کے لیے عبادت کو خالص کرو۔ تَبَتُّل کا ارادہ نہیں کیا۔ تَبَتُّل کا قرآن حکیم میں حکم دیا گیا، سنت میں اس سے نہی کی گئی امر کا تعلق، نہی کا متعلق نہیں تو یہ دونوں چیزیں آپس میں متناقض نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے مبعوث کیا گیا تاکہ لوگوں کے لیے نازل شدہ احکام کی وضاحت کریں۔ پس وہ تَبَتُّل جس کا قرآن حکیم میں حکم دیا گیا وہ عبادت کو خالص کرتے ہوئے اللہ کے لیے ہو کر رہنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (البینہ: 5) جس تَبَتُّل سے منع کیا گیا ہے وہ نکاح کو ترک کرنے اور عبادت گاہوں میں الگ تھلگ رہنے میں نصاریٰ کا طریقہ اپنانا ہے لیکن جب زمانہ فساد کا شکار ہو جائے تو مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہیں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں میں چراتا ہے اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے دور بھاگتا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝۹ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝۱۰ وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝۱۱

''مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھیے اس کو اپنا کارساز۔ اور صبر کیجئے ان کی

(دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جایئے بڑی خوبصورتی سے۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں"۔

اہل حرمین، ابن محیصن، مجاہد، ابو عمرو، ابن اسحاق اور حفص نے لفظ رب کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اس کی خبر لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے پہلے هُوَ مضمر ہے۔ باقی قراء نے لفظ رَبُّ کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور رَبُّ الْمَشْرِقِ کے لفظ رب کی صفت ہے، جو آدمی یہ جان لیتا ہے کہ وہ مشارق اور مغارب کا رب ہے تو اس کا عمل اور آرزو اس کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی تو اسے یوں بنالے کہ وہ تیرے امور کی نگہبانی کرنے والا ہے اور اسی نے تیرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس پر اسے ضامن بنالے۔

کفار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں، سب وشتم کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں اس پر صبر کیجئے ان کی باتوں سے نہ گھبرائیں اور ان کو دعوت دینے سے نہ رکیں، انہیں بدلہ دینے میں مشغول نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کو ترک کرنے والے ہوں گے۔ یہ امر جہاد سے قبل کا تھا اس کے بعد کفار کے ساتھ قتال کا حکم نازل ہوا تو جہاد والی آیت نے ماقبل کے ترک کے حکم کو منسوخ کردیا؛ قتادہ اور دوسرے علماء کا یہی نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابو درداء نے کہا: ہم کچھ لوگوں کے لیے ہنستے ہیں جب کہ ہمارے دل ان پر ناراض ہوتے ہیں اور ان پر لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔

وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ یعنی انہیں سزا دینے کے لیے میری سزا پر راضی ہو جایئے۔ یہ قریش کے ان سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جو استہزاء کیا کرتے تھے۔ مقاتل نے کہا: یہ ان دس افراد کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ بدر میں مشرک فوج کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری لی تھی۔ ان کا ذکر سورۂ انفال میں ہو چکا ہے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ بنو مغیرہ ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خبر دی گئی کہ وہ بارہ افراد ہیں۔ أُولِي النَّعْمَةِ وہ مالدار، خوشحال اور دنیا میں لذتوں کے مالک ہیں۔ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا یعنی ان کی وفات کی مدت تک مہلت دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ واقعہ بدر ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں دنیا کی مدت تک مہلت دیجئے۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

"ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب ہے (یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے"۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ انکال کا معنی بیڑیاں ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ اس کا واحد نکل ہے نکل اسے کہتے ہیں جو انسان کو حرکت سے روک دے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے نکل اس لیے کہتے ہیں

کیونکہ اس کے ساتھ عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ امام شعبی نے کہا: کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے پاؤں میں بیڑیاں اس لیے ڈالی ہیں کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں؟ نہیں اللہ کی قسم! لیکن جب انہوں نے اوپر آنے کا ارادہ کیا تو ان بیڑیوں نے انہیں نیچے کر دیا۔ کلبی نے کہا: انکال کا معنی طوق ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت معروف ہے؛ اس معنی میں خنساء کا قول ہے:

دَعَاكَ فَقَطَّعْتَ أَنْكَالَهُ وَقَدْ كُنَّ قَبْلَكَ لَا تُقْطَعُ

اس نے تجھے بلایا تو تو نے اس کی بیڑیاں توڑ دیں، جب کہ تجھ سے قبل انہیں نہیں توڑا جاتا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ شدید عذاب کی انواع ہیں؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: إن الله يحب النكل على النكل۔ اللہ تعالیٰ ایسے تجربہ کار بہادر سوار کو پسند کرتا ہے جو زورآور آزمودہ گھوڑے پر سوار ہو۔

جوہری نے کہا: نکل کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ پوچھا گیا: نکل کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا: طاقتور، تجربہ کار آدمی، طاقتور تجربہ کار گھوڑے پر؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا کہا: اسی وجہ سے بیڑی کو نکل کہتے ہیں کیونکہ وہ قوی ہوتی ہے اسی طرح غُل ہے اور ہر سخت عذاب اور جہنم کی آگ۔

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ جو خوشگوار نہ ہو جو حلق کو پکڑ لے نہ نیچے اترے اور نہ ہی باہر نکلے وہ غسلین، زقوم اور ضریع ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: وہ کانٹا ہے جو حلق میں داخل ہو جاتا ہے نہ وہ نیچے جاتا ہے اور نہ ہی نکلتا ہے۔ زجاج نے کہا: ان کا ٹھکانا ضریع ہوگا جس طرح ارشاد فرمایا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ (غاشیہ) یہ عوسج جیسا کانٹا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ کھانا زقوم ہے جس طرح ارشاد فرمایا: إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ (الدخان) دونوں کا معنی ایک ہے۔ حمران بن اعین نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ کو پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ خلید بن حسان نے کہا: حضرت حسن بصری نے ہمارے ہاں روزے کی حالت میں شام کی تو میں کھانا لایا تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اپنا کھانا اٹھالو جب دوسرا دن ہوا تو میں کھانا لایا تو ان پر یہ آیت پیش کی گئی تو آپ نے کہا: اسے اٹھالو اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، ان کا بیٹا ثابت بنانی، یزید جنی اور یحییٰ بکاء کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کی وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ حضرت حسن بصری نے ستو کا ایک گھونٹ پی لیا۔ غصہ کا معنی شجا (حلق میں اٹک جانے والی ہڈی) ہے یہ وہ چیز ہے جو حلق میں اٹک جاتی ہے وہ ہڈی ہو یا کوئی اور۔ اس کی جمع غُصص آتی ہے غَصص فتح کے ساتھ ہو تو یہ اس باب سے مصدر ہوگا غَصِصْتَ تَغَصُّ اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: أنت غاص بالطعام، أنت غصان۔ تیرے گلے میں کھانا اٹک گیا ہے۔ أغصصته أنا (میرے گلے میں کوئی چیز اٹک گئی ہے) المنزل غاص بالقوم یعنی منزل لوگوں کے ساتھ بھری ہوئی ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ جو کوئی ان پر ہوگا ان کے ساتھ زمین اور پہاڑ مضطرب ہوں گے۔ يَوْمَ کا لفظ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوتا ہے یعنی انہیں عذاب دیا جائے گا جس دن زمین کانپے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم سے

پہلے حرف جار تھا اس کے حذف کی وجہ سے یہ منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ھذہ العقوبۃ فی یوم ترجف الأرض والجبال۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عامل ذرنی ہے معنی یہ ہوگا جس روز زمین اور پہاڑ کانپیں گے اس دن مجھے اور جھٹلانے والوں کو چھوڑ دینا۔

وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ کثیب سے مراد جمع شدہ ریت ہے؛ حضرت حسان نے کہا:

عَرَفْتُ دِيَارَ زَيْنَبَ بِالْكَثِيْبِ		كَخَطِّ الْوَحْيِ فِي الْوَرَقِ الْقَشِيْبِ

میں نے ریت کے ٹیلے پر زینب کے گھروں کو پہچان لیا جس طرح نئے کاغذ پر لکھائی کی لکیریں ہوتی ہیں۔

مہیل اس ریت کو کہتے ہیں جو پاؤں کے نیچے سے نکل جاتی ہے۔ ضحاک اور کلبی نے کہا: مہیل اسے کہتے ہیں جب اس پر قدم رکھے تو وہ نیچے سے سرک جائے اور جب تو اس کا نیچے والا حصہ پکڑے تو وہ گر پڑے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مہیل سے مراد بہنے اور بکھرنے والی ہے اس کی اصل مہیول ہے یہ تیرے اس قول سے اسم مفعول کا صیغہ ہے: ھلت علیہ التراب أھیلہ ھیلا۔ جب تو اسے بہائے جس طرح کہا جاتا ہے: مھیل، مھیول، مکیل، مکیول، مدین، مدیون، معین، معیون۔

شاعر نے کہا:

قد كان قَوْمُكَ يَحْسَبُوْنَكَ سَيِّدًا		وإخَالُ أَنَّكَ سَيِّدٌ مَعْيُوْنُ

تیری قوم تجھے سردار گمان کرتی ہے اور میرا خیال ہے تو آنکھوں دیکھا سردار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خشک سالی کی شکایت کی تو فرمایا: اتکیلون أم تھیلون کیا تم کیل کرتے ہو یا انڈیلتے ہو؟ عرض کی ہم انڈیلتے ہیں۔ فرمایا: ''اپنے کھانوں کا کیل کیا کرو اس میں تمہارے لیے برکت رکھ دی جائے گی''۔ ھِلتُ میں ایک لغت اَھَلْتُ الدقیق بھی ہے اسی سے مہال اور مہیل آتا ہے واؤ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یاء پر ضمہ ثقیل ہوتا ہے ضمہ کو حذف کیا گیا تو یاء ساکن ہوگئی پھر یاء اور واؤ ساکن ہوگئے تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَأَخَذْنٰهُ أَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

''(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔

(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے، اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ"۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا یہاں رَسُوْلًا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قریش کی طرف بھیجا۔ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اس میں رَسُوْلًا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ یعنی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایمان نہ لایا۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا کہا: کیونکہ اہل مکہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا لحاظ نہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ان میں ہوئی تھی جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کا لحاظ نہ کیا کیونکہ فرعون نے آپ علیہ السلام کی پرورش کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں میں پروان چڑھے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی حکایت بیان کی ہے: اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا (شعراء: 18) مہدوی نے کہا: الرسول میں الف لام اس لیے آیا ہے کیونکہ رسول کا پہلے ذکر ہو چکا تھا؛ اس وجہ سے خطوط کے آغاز میں سلام علیکم اور ان کے اختتام میں السلام علیکم کو اختیار کیا جاتا ہے۔ وَّبِیْلًا سخت بوجھل؛ اس معنی میں ضرب وبیل اور عذاب وبیل بمعنی شدید بولا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ اس سے مطر وابل کہتے ہیں یعنی سخت بارش؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ زجاج نے اس کا معنی ثقیلا غلیظا کیا ہے بھاری بھرکم۔ اس معنی میں بارش کے لیے وبیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی مھلکا ہے معنی یہ ہے ہم نے اسے تباہ کن سزا دی۔ شاعر نے کہا:

أَكَلْتِ بَنِيكَ أَكْلَ الضَّبِّ حتى  وجَدْتِ مَرَارَةَ الْكَلَا الْوَبِيلِ

تو نے اپنی اولاد کو گوہ کے کھانے کی طرح کھا لیا یہاں تک کہ تو نے ہلاک کر دینے والی گھاس کی کڑواہٹ کو پالیا۔

استوبل فلان کذا اس کے انجام کی تعریف نہ کی، ماء وبیل ایسا پانی جو خوشگوار نہ ہو۔ کلأ مستوبل وطعام وبیل و مستوبل۔ جب وہ گھاس کھانا خوشگوار نہ ہو اور ہضم نہ ہو؛ زہیر نے کہا۔

فَقَضَوْا مَنَايَا بَيْنَهُمْ ثم أَصْدَرُوا  إِلَى كَلَإٍ مُسْتَوْبَلٍ مُتَوَخِّمِ

انہوں نے آپس میں موتوں کا فیصلہ کیا پھر وہ ایسی گھاس کی طرف گئے جو نا خوشگوار تھی۔

خنساء نے کہا:

لَقَدْ أَكَلَتْ بَجِيلَةُ يومَ لَاقَتْ  فَوَارِسَ مَالِكٍ أَكْلًا وَبِيلًا

بجیلہ نے اس روز نامناسب کھانا کھایا جس روز وہ مالک کے شہسواروں سے ملی۔

وبیل کا معنی موٹا ڈنڈا بھی ہے؛ شاعر کا شعر ہے:

لو أَصْبَحَ فِي يُمْنَى يَدَيَّ زِمَامُهَا  وفِي كَفِّي الْأُخْرَى وَبِيلٌ تُحَاذِرُهُ

کاش! میرے دائیں ہاتھ میں اس کی نکیل ہوتی اور دوسرے ہاتھ میں موٹا ڈنڈا ہوتا جو اسے ڈراتا۔
اسی طرح موبل کا لفظ ہے اور موبلہ بھی اسی طرح ہے اس کا معنی لکڑیوں کا گھٹا ہے اسی طرح وبیل بھی اسی معنی میں ہے جس طرح اس شعر میں ہے، طرفہ نے کہا:

عَقِيلَةُ شَيْخٍ كَالْوَبِيلِ يَلَنْدَدُ

**فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا** یہ توبیخ اور تقریع کے لیے ہے، یعنی اگر تم نے کفر کیا تو تم کیسے عذاب سے بچو گے۔ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی اگر تم نے کفر کیا تو تم اس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دیتا ہے۔ عبداللہ اور عطیہ کی قراءت اسی طرح ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تم کون سی نماز کے ساتھ عذاب سے بچو گے؟ کون سے روزے کے ساتھ بچو گے؟ اس میں اضمار ہے یعنی تم کیسے اس دن کے عذاب سے بچو گے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اس دن کسی بھی چیز کے ساتھ عذاب سے نہیں بچے گا۔ اور یوما، تتقون کا مفعول بہ ہے، یہ ظرف نہیں ہے۔ اگر کفر کو انکار کے معنی میں مقدر کیا جائے تو یوم کا لفظ **كَفَرْتُمْ** کا مفعول ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان **كَفَرْتُمْ** پر وقف تام ہے اور **يَوْمًا** سے ابتدا ہو رہی ہے، تو یہ صورت اس طرف جاتی ہے کہ یوما **يَجْعَلُ** کا مفعول ہے اور **يَجْعَلُ** فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے گویا یہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک دن میں بچوں کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ دن ہی اپنی ہولناکی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

مہدوی نے کہا: **يَجْعَلُ** کی ضمیر کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ یوم کے لیے ہو جب ضمیر یوم کے لیے ہوگی تو یہ صحیح ہوگا کہ جملہ یوم کی صفت ہو اور جب ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو یہ صفت بننے کی صلاحیت نہ رکھے مگر اس صورت میں کہ کلام میں حذف تسلیم کیا جائے، گویا ارشاد فرمایا: یوم یجعل اللہ الولدان فیہ شیبا۔

ابن انباری نے کہا: علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے **يَوْمًا** کو **كَفَرْتُمْ** فعل سے نصب دی ہے۔ یہ بہت ہی قبیح ہے کیونکہ **يَوْمًا** کو جب **كَفَرْتُمْ** کے ساتھ متعلق کریں گے تو یہ صفت کا محتاج ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی کفرتم بیوم۔ اگر کوئی استدلال کرنے والا یہ استدلال کرے کہ صفت بعض اوقات حذف ہو جاتی ہے اور فعل مابعد کو نصب دیتا ہے تو ہم اس کے خلاف حضرت عبداللہ کی قراءت سے استدلال کریں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ (حضرت عبداللہ کی) قراءت متواتر نہیں یہ تو تفسیر کے طریقہ پر آئی ہے جب کفر جحود (انکار) کے معنی میں ہو تو یوما بغیر کسی صفت اور اس کے حذف کے صریح مفعول ہوگا یعنی تم کیسے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو گے اور اس سے ڈرو گے اگر تم قیامت اور جزا کے دن کا انکار کرو گے۔ ابو سمال قعنب نے **فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ** نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

**الْوِلْدَانَ** سے مراد بچے ہیں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا کی اولاد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے جب کہ عمومی معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے یعنی اس دن میں چھوٹے بچے کے بال بڑھاپے کے بغیر سفید ہو جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا: اے آدم! اٹھیے جہنم کا حصہ نکالیے جس طرح سورۂ حج کے آغاز میں گزر

چکا ہے۔ قشیری نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ جس طرح ارادہ فرمائے گا جنتیوں کے احوال اور اوصاف بدل دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس دن کی شدت کو بیان کرنے والی ضرب المثل ہے۔ یہ مجاز ہے کیونکہ قیامت کے روز کوئی بچہ نہ ہوگا، بلکہ اس کا معنی یہ ہے اس دن کی ہیبت ایسی حالت میں ہوگی اگر وہاں کوئی بچہ ہوا تو ہیبت کی وجہ سے اس کے سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ نزع کا وقت ہوگا اور صور پھونکے جانے سے قبل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمخشری نے کہا: کسی کتاب میں میری نظروں کے سامنے سے یہ حکایت گزری ہے کہ ایک آدمی نے شام کی جب کہ اس کے بال کوے کی طرح سیاہ تھے اس نے صبح کی تو اس کا سر سفید ہو چکا تھا اور داڑھی ثغامہ بوٹی کی طرح سفید ہو چکی تھی اس نے کہا: مجھے خواب میں قیامت، جنت اور دوزخ دکھائی گئی، میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہیں زنجیروں سے جکڑ کر آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہے تو اس کی ہولناکی کی وجہ سے میں اس طرح ہو گیا جس طرح تم مجھے دیکھتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ دن کی طوالت کے ساتھ صفت بیان کی جائے کہ اس دن میں بچے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں گے۔

السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ اس دن کی شدت کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔ بہٖ میں باء، فی کے معنی میں ہے یعنی اس دن میں اس کی ہولناکی کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کی تعبیر میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں یہ ان میں سے سب سے اچھا ہے۔ اس کی تاویل میں یہ قول بھی کیا جاتا ہے: اس پر ایسا بوجھ ڈالا جائے گا جو اسے شق ہونے کی طرف لے جائے گا کیونکہ وہ بوجھ اس پر بہت بھاری ہوگا اور آسمان اس بوجھ کے واقع ہونے کی وجہ سے ڈر جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثَقُلَتۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ (الاعراف: 187) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بہٖ، لہ کے معنی میں ہے یعنی اس دن کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فعلت کذا بحرمتك ولحرمتك میں نے اس طرح تیرے احترام کی وجہ سے کیا ہے۔ باء، لام اور فی اس جیسی جگہوں میں قریب المعنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (الانبیاء: 47) ہم قیامت کے روز انصاف کے میزان رکھیں گے۔ یہاں بھی لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ، فی یوم القیامۃ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہٖ کی ضمیر امر کے معنی میں ہے یعنی آسمان اس امر کی وجہ سے پھٹ جائے گا جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان اللہ تعالیٰ کے امر سے پھٹ جائے گا۔

ابو عمرو بن علاء نے کہا: مُنۡفَطِرَةٌ نہیں کہا کیونکہ سماء کا مجازی معنی سقف، چھت ہے تو کہتا ہے: ھذا سماء البیت۔ یہ کمرے کی چھت ہے۔

شاعر نے کہا:

فَلَوْ رَفَعَ السَّمَاءُ اِلَيْهِ قومًا لَحِقْنَا بالسَّماءِ وبالسَّحَابِ

اگر چھت قوم کو اس کی طرف اٹھاتا تو ہم آسمان اور بادل تک جا پہنچتے۔

قرآن حکیم میں ہے وَ جَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا (الانبیاء: 32) ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ فراء نے کہا: السَّمَآءُ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ابو علی نے کہا: اس کا استعمال الجراد المنتشر، الشجر الاخضر اور

اعجاز نخل منقعر کے باب سے ہے۔ ابو علی نے کہا: اس کا معنی ہے آسمان پھٹنے والا ہے جس طرح وہ کہتے ہیں: امرأة مرضع یعنی دودھ پلانے والی عورت۔ اسم فاعل کا صیغہ نسبت کے معنی میں ہے۔

**كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا۝** یعنی قیامت، حساب اور جزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہے گا اس میں کوئی شک اور خلاف ورزی نہ ہوگی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔

**اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ**، هٰذِهٖ سے مراد سورت ہے، آیات ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: قرآن کی آیات مراد ہیں کیونکہ وہ سورۂ واحدہ کی طرح ہے۔

**فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۝** جو یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ ایمان لائے اور اپنے رب کی رضا اور رحمت تک پہنچنے کا راستہ بنائے تو وہ رغبت کرے پس یہ اس کے لیے ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دلائل ظاہر کر دیئے ہیں۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے: فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۝ (المدثر) ثعلبی نے کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔

**اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝**

"بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ نماز میں قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں (وہ بھی یونہی قیام کرتے ہیں)؛ اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل رزق حلال کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہے، اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

## رات کا ثلث، اس کا نصف اور دو ثلث میں قیام کرنے کی شرعی حیثیت

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ کی تفسیر ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے یہ رات کے قیام کی فرضیت کے لیے ناسخ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے تَقُوْمُ کا معنی (آپ نماز پڑھتے ہیں) ہے۔ اَدْنٰى کا معنی کم ہے۔ ابن سمیقع، ابوحیوہ اور ہشام نے اہل شام سے ثُلُثَيِ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ کو مجرور پڑھا ہے یہ عام قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ثُلُثَيِ پر ہے اس کا معنی یہ ہے آپ رات کے دو تہائی، اس کے نصف اور ایک تہائی سے کم قیام کرتے ہیں؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (المزمل:20) تو صحابہ کرام اس کا نصف، ایک تہائی کیسے قیام کرتے جب کہ وہ شمار نہ کر سکتے تھے۔ ابن کثیر اور کوفہ کے قراء نے نصفه وثلثه کو منصوب پڑھا ہے انہیں ادنی پر معطوف کیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تقوم أدنی من ثلثی اللیل وتقوم نصفه وثلثه۔ آپ رات کے دو تہائی سے کم قیام کرتے ہیں اور اس کا نصف اور ایک تہائی قیام کرتے ہیں۔ فراء نے کہا: یہ درست ہونے کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دو ثلث سے کم ارشاد فرمایا پھر قلت کا ذکر کیا اور قلت سے کم ذکر نہیں کیا۔ قشیری نے کہا: اس قراءت کی بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ایک تہائی اور نصف تک پہنچ جاتے تھے کیونکہ اتنی مقدار کا قیام ان کے لیے خفیف تھا وہ اس میں زیادتی کرتے تھے اور زیادتی میں مقصود کو پا لیتے۔ جہاں تک دو تہائی کا تعلق ہے اس کا قیام ان پر مشکل تھا وہ اسے حاصل نہ کر پاتے اور اس میں کمی کر دیتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہیں نصف رات کے قیام کا حکم دیا گیا اور کمی بیشی میں انہیں رخصت دی گئی زیادتی کی صورت میں وہ دو تہائی کو جا پہنچتے اور کمی کی صورت میں ایک تہائی تک پہنچ جاتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لیے نصف، اس سے کم یعنی ایک تہائی تک اور زیادتی کی صورت میں دو تہائی مقدر کیا گیا ان میں سے کچھ وہ بھی تھے جو اسے پورا کرتے اور ان میں کچھ وہ بھی تھے جو اس کو ترک کر دیتے یہاں تک کہ حکم ان سے منسوخ ہو گیا۔ ایک قوم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھائی کو ان پر لازم کیا اور ایک چوتھائی سے کمی کرتے۔ یہ قول مرضی کا فیصلہ ہے۔

## رات کے پہروں کا صحیح حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ تعالیٰ رات اور دن کی مقدار کو حقیقت میں جانتا ہے جب کہ تم تلاش اور اجتہاد سے جانتے ہو جس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ تم اس کے حقائق کی معرفت اور اسے بجالانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم رات کے قیام کی طاقت ہرگز نہیں رکھو گے، جب کہ پہلا معنی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ رات کا قیام کبھی بھی پورا فرض نہیں کیا گیا۔ مقاتل اور دوسرے علماء نے کہا: جب قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ نازل ہوئی تو ان پر معاملہ مشکل ہو گیا کوئی آدمی نہیں جانتا تھا کہ رات کا نصف اور ایک تہائی کب ہوتا ہے وہ صبح تک قیام کرتے کہ کہیں خطا ہی نہ ہو جائے تو اس کے پاؤں میں سوجن آ جاتی اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم

فرمایا اور حکم میں تخفیف کر دی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ ان مثقلہ سے مخففہ ہے یعنی اسے علم ہے کہ تم اس کا شمار نہ کر سکو گے کیونکہ اگر تم زیادہ قیام کرو گے تو تم پر مشکل ہو جائے گا اور ایسی تکلیف کے تم محتاج ہو گے جو تم پر فرض نہیں اگر تم کمی کرو گے تو تم پر معاملہ شاق گزرے گا۔

## اللہ تعالیٰ نے کس کی وجہ سے ان کی توبہ قبول کی

**مسئلہ نمبر 3**۔ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما کر تمہاری طرف رجوع فرمایا۔ اس میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے بعض ان امور کو ترک کر رکھا تھا جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قیام کی فرضیت میں تخفیف فرمائی کیونکہ تم عاجز آ گئے تھے، توبہ کا اصل معنی لوٹنا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے معنی یہ ہوگا اس لیے تمہارے لیے سختی سے نرمی کی طرف، مشکل سے آسانی کی طرف رجوع کیا۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ تلاش کی صورت میں اوقات کی حفاظت کریں تو ان سے تلاش کرنے کے حکم میں تخفیف کر دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو خاص مقدار میں پیدا فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا۝ (فرقان) ابن عربی نے کہا: خلقت کی تقدیر کے ساتھ حکم متعلق نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے ساتھ مکلف بنائے جانے کے فرائض وابستہ کر دیتا ہے۔

## کتنی تلاوت کرنا مقصود ہے اور کیا اس کا مقصد تلاوت قرآن ہے یا نماز؟

**مسئلہ نمبر 4**۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ اس میں دو قول ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اس سے مراد قراءت ہے رات کے بارے میں جس امر میں تم پر تخفیف کر دی گئی اس میں نماز ادا کرتے وقت قرآن حکیم کی تلاوت کرو۔ سدی نے کہا: یہ سو آیات ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھیں قرآن حکیم اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کرے گا۔ کعب نے کہا: جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھیں تو وہ عبادت گزاروں میں لکھ لیا جائے گا۔ سعید نے کہا: پچاس آیات پڑھیں۔

میں کہتا ہوں: کعب کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو آدمی دس آیات پڑھے تو وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا، جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا وہ قانتین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جو ہزار آیات پڑھے تو مقنطرین (جنہیں خزانہ دیا جائے) میں لکھ لیا جاتا ہے“ (1)۔ اسے ابو داؤد اور طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ الحمد للہ۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔

دوسرا قول ہے: جتنا آسان ہو اتنی نماز پڑھو (2)۔ نماز کو قرآن کا نام دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ (الاسراء: 78) یعنی صبح کی نماز۔ ابن عربی نے کہا: یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس نے نماز کے بارے میں ہی خبر دی اور قول نماز کی طرف ہی راجع ہے۔

---

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب سجود القرآن باب تحزیب القرآن۔ 2۔ تفسیر بغوی، جز 4، صفحہ 412

میں کہتا ہوں: پہلا قول صحیح ہے کلام کا ظاہر معنی یہی ہے اور دوسرا قول مجاز ہے کیونکہ اس میں کل کو جز کا نام دیا گیا ہے۔

## اس آیت کریمہ نے کون سے حکم کو منسوخ کیا؟

**مسئلہ نمبر 5**۔ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نے رات، اس کے نصف، نصف سے کم اور اس سے زیادہ کے قیام کو منسوخ کر دیا ہے پھر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے (۱) یہ دوسرا فرض ہو کیونکہ اس کے ذریعے دوسرا فرض زائل کیا گیا ہے (۲) یہ فرض منسوخ ہے جسے دوسرے فرض کے ساتھ منسوخ کیا گیا ہے جس طرح اس کے ساتھ غیر کو زائل کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۞ (الاسراء) تو اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یہ احتمال رکھتا ہے وہ نماز جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہیں کی گئی اور وہ آسانی سے ادا ہو سکتی ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر ادا کرتے ہیں۔ امام شافعی نے کہا: ضروری یہ تھا کہ دونوں معنوں میں سے ایک پر سنت سے استدلال کرتے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پایا جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں ہی فرض ہیں۔

## اس آیت سے رات کا قیام امت سے منسوخ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں

**مسئلہ نمبر 6**۔ قشیری ابو نصر نے کہا: مشہور یہ ہے کہ رات کا قیام جو منسوخ ہوا ہے وہ صرف امت کے حق میں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض باقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مخصوص مقدار کا اندازہ منسوخ ہوا اور اصل وجوب باقی رہا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (بقرہ: 196) تو ہدی ضروری ہے اس طرح رات کی نماز ضروری ہے لیکن اس کی مقدار نمازی کے اختیار کی طرف سپرد کر دی گئی ہے؛ اس وجہ سے ایک قوم نے کہا: رات کا تھوڑا قیام باقی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قوم نے کہا: کلی طور پر منسوخ ہے پھر رات کی نماز بالکل ہی فرض نہیں؛ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو فرضیت باقی ہے وہ یہی ہے وہ قیام ہے اس کی مقدار اختیار کے سپرد ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام فرض نہیں تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کا معنی یہ ہو گا اگر تمہارے لیے آسان ہو تو اسے پڑھو اور اگر چاہو تو نماز پڑھو۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ کلی طور پر نسخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہے۔ رات کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَافِلَةً لَّكَ نفل کے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ جس نے یہ کہا: مقدار منسوخ ہے اور رات کے قیام کے وجوب کا اصل باقی رہا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا تو یہ نسخ نماز کے اوقات کے بیان کے ساتھ واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (الاسراء: 78) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۞ (الروم) احادیث میں ہے کہ پانچ نمازوں سے زائد نفل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: نسخ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے جس طرح نماز کی فرضیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے ہے جب کہ خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے ارشاد باری ہے: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞ قُمِ الَّيْلَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہجرت کے بعد جاری رہا اور یہ

تم مدینہ طیبہ میں منسوخ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جہاد تو مدینہ طیبہ میں فرض ہوا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات مکہ مکرمہ میں ہی جاری ہو گئے تھے اور رات کا قیام وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کے ساتھ منسوخ ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ نے رات کے وجوب کو منسوخ کر دیا۔

## رات کا قیام منسوخ کرنے کی علت

**مسئلہ نمبر 7**۔ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے رات کے قیام میں تخفیف کی علت کو بیان کیا ہے کیونکہ مخلوقات میں مریض لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر رات کا قیام شاق گزرتا ہے اور ان کے لیے یہ چیز بھی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ ان کی نماز فوت ہو جائے؛ اسی طرح تجارت کی غرض سے سفر کرنے والا رات کے قیام کی طاقت نہیں رکھتا، مجاہد بھی اسی طرح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی وجہ سے سب سے حکم میں تخفیف کر دی ہے۔ اَنْ سَيَكُوْنُ میں ان مثقلہ سے مخففہ ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ تم میں سے مریض ہوں گے۔

## رزق حلال کمانا اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنا بھی قیام کی طرح ہے

**مسئلہ نمبر 8**۔ اس آیت میں مجاہدین اور اپنی ذات، اپنے عیال کے نفقہ اور فضل و احسان کے لیے حلال مال کمانے والوں کے درجہ میں برابری کی ہے تو یہ اس امر پر دلیل ہوگی کہ مال کمانا جہاد کا درجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ جمع کیا ہے۔ ابراہیم نے علقمہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو غلہ لانے والا ایک شہر سے دوسرے شہر میں غلہ لاتا ہے وہ اس غلہ کو اس دن کے بھاؤ کے مطابق بیچ دیتا ہے، اس کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء کے مقام جتنا ہے'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (1)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جو انسان مسلمانوں کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف کوئی چیز صبر کے ساتھ اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے لایا، اسے اس دن کے بھاؤ کے ساتھ بیچ دیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام شہداء جیسا ہوگا اور اس آیت کی تلاوت کی وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی موت پیدا نہیں کی جو شہادت کی موت کے بعد میرے لیے اس موت سے زیادہ پسندیدہ ہو جو کجاوے کے دو اجزاء کے درمیان مجھے آئے جب کہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتا ہوئے سفر کر رہا ہوں۔

طاؤس نے کہا: بیواؤں اور مسکینوں کے لیے تگ و دو کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی طرح ہے۔

سلف صالحین میں سے ایک سے مروی ہے کہ وہ واسط میں تھے انہوں نے بصرہ کے لیے گندم کی ایک کشتی لے جانے کا ارادہ

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا

کیا اور اپنے وکیل کو خط لکھا: جس روز یہ گندم والی کشتی بصرہ پہنچے اسی روز گندم بیچ دینا اور اگلے روز کے لیے اسے موخر نہ کرنا اور بھاؤ میں سہولت کو پیش نظر رکھنا۔ تاجروں نے وکیل سے کہا: اگر تو گندم کی فروخت کو جمعہ تک موخر کرے تو تو کئی گنا نفع حاصل کرے گا اس نے مال کے مالک کو خط لکھا تو گندم کے مالک نے اسے جواب دیا: اے فلاں! ہم اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے نفع پر قناعت کرتے تھے تو نے ہم پر زیادتی کی ہے جب میرا یہ خط پہنچے تو مال لے اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے کاش! میں ذخیرہ اندوزی سے بچ جاتا جب کہ مجھے نہ نقصان ہوتا اور نہ مجھے نفع ہوتا۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ اہل مکہ کا ایک نوجوان مسجد میں رہتا ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے نہ پایا تو آپ اس کے گھر کی طرف گئے اس کی والدہ نے کہا: وہ اپنے کھانے پینے کے سامان کو بیچ رہا ہے۔ حضرت ابن عمر اسے ملے اسے فرمایا: اے بیٹے! تجھے اشیاء خوراک کے سامان سے کیا غرض، تو نے اونٹوں کے مال میں تجارت کیوں نہ کی، تو نے گائیوں میں تجارت کیوں نہ کی، تو نے بھیڑ بکریاں کیوں نہ پالیں کیونکہ کھانے کے مال کی تجارت کرنے والا خشک سالی چاہتا ہے اور جانوروں کا مالک بارش چاہتا ہے۔

## فرض نماز پڑھنے کی اہمیت اور چھوڑنے پر سخت وعید

**مسئلہ نمبر 9۔** فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ جتنا ممکن ہو نماز پڑھو اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز اتنی فرض کی ہے جتنی آسان ہو، پھر پانچ نمازوں کے وجوب کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا۔ ابن عربی نے کہا: ایک قوم نے کہا رات کے قیام کی فرضیت اس آیت میں دو رکعتوں میں مسنون ہو گئی ہے؛ یہ امام بخاری اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ انہوں نے ایک باب باندھا ہے جس میں یہ حدیث ذکر کی ہے ''شیطان تم میں سے ایک کے سر کے نصف پر تین گرہیں لگاتا ہے ہر گرہ پر یہ کہتا ہے: تجھ پر لمبی رات ہے تو سو جا اگر وہ بیدار ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اگر نماز پڑھے تو اس کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ تو وہ صبح چست و چالاک اور پاکیزہ نفس کے ساتھ کرتا ہے بصورت دیگر وہ خبیث نفس اور سست صبح کرتا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کے بارے میں روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کا سر پتھر سے کچلا جائے گا وہ، وہ ہے جو قرآن حکیم کو یاد کرتا ہے پھر اسے بھلا دیتا ہے اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے'' اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا جو تمام رات سوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ ایسا آدمی ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے''۔

ابن عربی نے کہا: یہ ایسی احادیث ہیں جو مطلق صلوٰۃ کو فرض نماز پر محمول کرنے کا تقاضا کرتی ہیں تو اس احتمال کی وجہ سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور جس نے اسے رات کے قیام کے ساتھ معین کیا ہے اس کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ صحیح میں ہے جب کہ الفاظ بخاری کے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبداللہ! فلاں کی مثل نہ ہو جا، وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا، پھر اس نے رات کا قیام ترک کر دیا'' اگر یہ فرض ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس پر یہ ثابت کرتے اور نہ اس قسم کی خبر دیتے بلکہ اس کی حد درجہ مذمت کرتے۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کرتا میں ایک مجرد نوجوان تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد میں ہی سو جایا کرتا تھا میں نے خواب میں دیکھا گویا دو فرشتے ہیں ان دونوں نے مجھے پکڑا اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے تو وہ یوں لپیٹی گئی تھی جس طرح کنویں کو لپیٹا جاتا ہے، اس کے دو سینگ تھے جہنم میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں میں پہچانتا تھا میں کہنے لگا: میں آگ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہا: ہمیں ایک اور فرشتہ ملا اس نے مجھ سے کہا: تجھ پر کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے یہ خواب حضرت حفصہ پر بیان کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عبداللہ کتنا ہی اچھا آدمی ہے کاش! وہ رات کی نماز پڑھا کرتا''۔

## نماز میں کتنی قراءت فرض ہے؟

**مسئلہ نمبر 10**۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رات کا قیام فرض نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ اپنے ظاہر معنی یعنی نماز میں قراءت میں محمول ہے۔ علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ نماز میں کس قدر قرأت کرنا لازم ہے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ سے عدول اور اس کے بعض پر اکتفا جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک آیت کی قراءت کو فرض قرار دیا ہے وہ قرآن کے کسی حصہ سے بھی ہو۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین آیات کی تلاوت فرض ہے۔ پہلا قول علامہ ماوردی نے ذکر کیا اور دوسرا قول ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام مالک اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے جس طرح ہم نے کتاب اللہ کے آغاز میں سورۂ فاتحہ میں بیان کر دیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نماز کے علاوہ قرآن حکیم کی قراءت ہے ماوردی نے کہا اس وجہ سے مطلق امر وجوب پر محمول ہوگا یا وجوب کی بجائے استحباب پر محمول ہوگا: یہ اکثر علماء کا قول ہے کیونکہ اگر اس پر قراءت واجب ہے تو اس پر اس کا حفظ بھی واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسے وجوب پر محمول کیا جائے تا کہ اس کی قراءت کے ساتھ اس کے اعجاز، اس میں موجود جو دلائل توحید ہیں ان پر اور رسل کی بعثت کا جو ذکر ہے اس پر آگاہ ہو۔ جب وہ اسے پڑھے اور اس کے اعجاز اور دلائل توحید کو پہچانے تو اس پر یاد کرنا لازم نہیں کیونکہ قرآن حکیم کا حفظ مستحب عبادات میں سے ہے واجب عبادات میں سے نہیں یہ امر قراءت کی جتنی مقدار کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اس کے بارے میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) تمام قرآن حکیم کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اسے آسان کر دیا ہے؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔

(۲) قرآن کا ایک تہائی؛ یہ جویبر کا نقطہ نظر ہے۔

(۳) دو سو آیات؛ یہ سدی کا قول ہے۔

(۴) ایک سو آیات؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۵) تین آیات جس طرح سب سے چھوٹی سورت ہوتی ہے؛ یہ ابو خالد کنانی نے کہا۔

نماز کے قیام اور اداءِ زکوٰۃ کے معانی ومفاہیم

**مسئلہ نمبر 11** ۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔ یعنی فرض نمازیں پڑھو وہ پانچ نمازیں ہیں۔ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی اپنے اموال میں سے فرض زکوٰۃ ادا کرو، یہ عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ حارث عکلی نے کہا: صدقہ فطر ادا کرو کیونکہ اموال میں زکوٰۃ بعد میں واجب ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمام بھلائی کے کام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے لیے اخلاص۔

قرض حسن کا معنی ومراد

**مسئلہ نمبر 12** ۔ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ قرض حسن سے مراد وہ چیز ہے جس کو صدقہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کیا جائے اور پاکیزہ مال سے اسے دیا جائے۔ سورۂ حدید میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: قرض حسن سے مراد اپنے خاندان پر خرچ کرنا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

جو صدقہ وزکوٰۃ اور اعمال خیر بندہ کرتا ہے ان کا اجر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پائے گا

**مسئلہ نمبر 13** ۔ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر حلوہ بنایا ایک مسکین آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لیا اور مسکین کو دے دیا۔ کسی نے عرض کی: یہ مسکین کیا جانے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسکین کا رب جانتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ گویا انہوں نے اس آیت کا یہ معنی لیا کہ جو تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجتے ہو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو تم نے پیچھے چھوڑا ہے اور وہ بخل اور کوتاہی سے بھی بہتر ہے۔ وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے اَعْظَمَ اَجْرًا سے مراد یہ ہے کہ وہ نیکی کے بدلے میں دس گنا عطا فرماتا ہے۔ خَیْرًا اور اَعْظَمَ پر نصب تجدون کے مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے ہے۔ ھو ضمیر بصریوں کے نزدیک ضمیر فصل ہے اور کوفیوں کے نزدیک عماد ہے جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ اَجْرًا یہ تمیز ہے وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ توبہ سے پہلے جو گناہ ہوتے ہیں ان کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ رَّحِیْمٌ اور توبہ کے بعد تم پر رحم فرمانے والا ہے؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کی رائے ہے۔